اختلاف رائے یا دین میں وسعت

نظر حجازی

اُمت میں اختلاف رائے صحت مندی اور تندرستی کی علامت ہے نہ کہ اختلاف اور انتشار کی۔ ہر شخص کی اپنی رائے ہوتی ہے جس کے اظہار کی اسے آزادی حاصل ہے مگر اختلاف رائے رکھنے والے اکثر لوگوں کو نہیں معلوم کہ اسلام نے اس کے لیے کچھ ضابطے مقرر کیے ہیں۔ ان ضابطوں کی پاس داری نہ کرنے کی وجہ سے بعض افراد تعصب اور منافرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ دائرہ اس قدر پھیل گیا کہ امت کے افراد اور جماعتیں اختلاف رائے کی وجہ سے گروہوں میں بٹ گئیں۔ اب یہ بیماری گھن کی طرح جسدِ ملّی کو اندر سے کھوکھلا کر رہی ہے۔

کائنات کی تخلیق میں اختلاف اور تنوع اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ تنوع اور اختلاف کے ساتھ کمال ضابطے کا توازن اللہ تعالیٰ کی حکمت و دانائی کی شہادت دے رہا ہے۔ یہ رات اور دن کا باقاعدگی سے آنا اس بات پر گواہ ہے کہ زمین کو آباد کرنے کے لیے یہ نظم کمال درجۂ دانائی کے ساتھ قائم کیا گیا ہے۔ اس زمین پر وہ خطے بھی موجود ہیں جہاں ۲۴ گھنٹے کے اندر دن اور رات کا الٹ پھیر ہوتا ہے اور وہ خطے بھی ہیں جہاں بہت طویل دن اور بہت طویل راتیں ہوتی ہیں۔ کائنات کی ہر چیز میں تنوع اور اختلاف ہے۔ موسموں کا تغیر و تبدل، پہاڑ، چاند، تارے اور سیارے، اور زمین سے اُگنے والی چیزوں میں کس قدر اختلاف ہے۔ اس تنوع کے بارے میں سورۂ انعام میں ارشاد ہوا ”وہ اللہ ہی ہے جس نے طرح طرح کے باغ اور تاکستان اور نخلستان پیدا کیے، کھیتیاں اُگائیں جن سے قسم قسم کے ماکولات حاصل ہوتے ہیں، زیتون اور انار کے درخت پیدا کیے جن کے پھل صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں“ (الانعام ۶:۱۴۱)۔ حد تو یہ ہے کہ ایک ہی زمین سے اُگنے اور ایک ہی پانی سے سیراب ہونے والے پھلوں کے مزے جدا جدا ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: ”اور دیکھو، زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں۔ انگور

کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں جن میں سے کچھ اکہرے ہیں اور کچھ دہرے۔ سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر مزے میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کم تر۔ ان سب چیزوں میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں" (الرعد ۱۳:۴)۔ ساری زمین کو اس نے یکساں بنا کر نہیں رکھ دیا، بلکہ اس میں بے شمار خطے پیدا کیے جو متصل ہونے کے باوجود شکل میں، رنگ میں، خاصیتوں میں، قوتوں اور صلاحیتوں میں، پیداوار اور کیمیاوی یا معدنی خزانوں میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ان مختلف خطوں کی پیدائش اور ان کے اندر طرح طرح کے اختلافات کی موجودگی اپنے اندر حکمتیں اور مصلحتیں رکھتی ہے جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

اختلاف کی حکمت

اس تنوع اور اختلاف پر غور کرنے والا کبھی یہ دیکھ کر پریشان نہ ہوگا کہ انسانی طبائع، میلانات اور مزاجوں میں اتنا اختلاف کیوں پایا جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب انسانوں کو یکساں بنا سکتا تھا مگر جس حکمت پر اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے، وہ یکسانیت کی نہیں بلکہ تنوع اور رنگا رنگی کی متقاضی ہے۔ سب کو یکساں بنا دینے کے بعد تو یہ سارا ہنگامۂ وجود ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا۔ کائنات کی تخلیق میں جب اختلاف اور تنوع ہے تو پھر اس کائنات کی اہم ترین مخلوق کو اس اختلاف سے مبرا سمجھنا دانش مندی نہیں۔ جہاں دو انسان رہتے ہیں وہاں ان کے درمیان اختلاف کا پایا جانا فطری امر ہے۔ ارشاد ربانی ہے "بے شک تیرا رب اگر چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک گروہ بنا سکتا تھا، مگر اب تو وہ مختلف طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے اور بے راہ رویوں سے صرف وہ لوگ بچیں گے جن پر تیرے رب کی رحمت ہے۔ اسی (آزادیِ انتخاب و اختیار اور امتحان) کے لیے ہی تو اس نے انھیں پیدا کیا تھا" (ھود ۱۱:۱۱۸)۔ معلوم ہوا کہ آزادیِ انتخاب اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور ہر آدمی کو مختلف راے رکھنے کا حق ہے مگر یہ اختلاف اگر ضابطوں سے عاری ہو جائے تو اس سے تلخیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف کی مذمت بھی کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ابتداءً سارے انسان ایک ہی امت تھے، بعد میں انھوں نے مختلف عقیدے اور مسلک بنا لیے اور اگر تیرے رب کی طرف سے پہلے ہی ایک بات طے نہ کر لی گئی ہوتی تو جس چیز میں وہ باہم اختلاف کر رہے ہیں اس کا فیصلہ کر دیا جاتا" (یونس ۱۰:۱۹)۔ ایک اور جگہ پر اختلاف کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا گیا: "اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے، ان کا فیصلہ کرے ___ (اور ان اختلافات کے رونما ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ ابتدا میں لوگوں کو حق بتایا نہیں گیا تھا، نہیں) اختلاف ان لوگوں نے کیا، جنھیں حق کا علم دیا جا چکا تھا۔ انھوں نے روشن ہدایات پا لینے کے بعد محض اس

لیے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے" (البقرہ ۲:۲۱۳)۔ یہاں اختلاف کی وجہ یہ بتائی گئی کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی کرنا چاہتے تھے جو کہ مذموم فعل ہے۔ ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کی وجہ سے اختلاف کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ عذاب عظیم سے خبردار کرتا ہے: "کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے۔ جنھوں نے یہ روش اختیار کی وہ اس روز سخت سزا پائیں گے، جب کہ کچھ لوگ سرخ رُو ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہوگا۔ جن کا منہ کالا ہوگا (ان سے کہا جائے گا کہ) نعمتِ ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ رویہ اختیار کیا؟" (آل عمرٰن ۳:۱۰۵-۱۰۶)۔ ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کی مذمت کی ہے جو حق کو باطل کا لبادہ پہنائے یا آدمی پر حق واضح ہو جائے پھر بھی وہ باطل ہی پر اڑا رہے۔

اختلاف رائے رحمت ہے!

اختلاف رائے رکھنے کی تربیت خود رسول اکرمؐ نے صحابہ کرامؓ کو دی تھی۔ اگر چہ آپ کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی براہ راست رہنمائی میں ہوتا تھا مگر اس کے باوجود رسول اکرمؐ صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے تھے۔ کئی معاملات میں اپنی رائے کو چھوڑ کر صحابہ کرامؓ کی رائے پر عمل فرمایا۔ صحابہؓ کی تربیت اس نہج پر ہوئی تھی کہ ان میں سے ہر ایک اپنے انداز سے چیزوں کو دیکھے اور نتائج اخذ کرے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دیتا ہے کہ وہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور تفرقے میں نہ پڑیں۔ ارشاد ربانی ہے: "سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمھارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے" (آل عمرٰن ۳:۱۰۳)۔ اختلاف رائے رکھنا فطری اور طبعی امر ہے مگر اختلاف رائے رکھنے کی وجہ سے تفرقے میں پڑنا مذموم قرار دیا گیا ہے۔ آیت مبارکہ میں اسی طرف نشان دہی کی گئی ہے۔ اختلاف رائے رکھنا اور تفرقے میں پڑ جانا، دو الگ چیزیں ہیں۔

اس آیت کی روشنی میں اگر ہم مسلم امت کا ماضی قریب اور حال دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ امت کے افراد مختلف مکاتب فکر رکھنے کے وجہ سے تفرقے میں پڑ گئے ہیں، حالانکہ مختلف مکاتب فکر کا وجود فی نفسہٖ معیوب نہیں بلکہ یہ اسلام میں تنوع ہے۔ اسلام قیامت تک کے لیے باقی رہنے والا دین ہے جس میں فروعی معاملات میں اختلاف رائے رکھنا معیوب نہیں، بلکہ یہ اسلام ہی کا خاصہ ہے کہ اس میں اتنی لچک ہے کہ یہ ہر زمانے اور ہر قسم کی سوچ و فکر رکھنے والے لوگوں کے لیے یکساں طور پر قابل عمل ہے۔ اسلام کے مختلف مکاتب فکر

اس بات کی نشانی ہیں کہ ہمارا دین لچک دار ہے کہ اس کے ماننے والے فروعی مسائل میں اختلاف رائے رکھ سکتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا معروف قول ہے: ''فروعی معاملات میں اصحابِ رسول کا اختلاف ہمارے لیے باعث رحمت ہے کیونکہ اگر وہ ان فروعی معاملات میں اختلاف نہ کرتے تو مسلمانوں کے لیے آسانیاں پیدا نہ ہوتیں'' (فیض القدیر)۔ ایک اور مقام میں ان کا یہ قول بھی معروف ہے کہ ''یہ امت کے لیے رحمت ہے کہ اصحاب رسولؐ نے فروعی معاملات میں اختلاف کیا کیونکہ اگر وہ ان معاملات میں اختلاف نہ کرتے اور بعد میں آنے والے لوگ اختلاف کرتے تو اختلاف رکھنے والا گمراہ سمجھا جاتا۔ مگر یہ اللہ کی رحمت ہے کہ انھوں نے اختلاف رائے رکھا کہ بعد میں آنے والے لوگ صحابہ کرامؓ میں کے مختلف اقوال پر عمل کر سکیں۔ اس میں ان کے لیے آسانی پیدا ہوئی''۔ (الاختلاف الفقہی مفخرة لا عیب، ڈاکٹر کمال المصری)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لینے گئے تو پیچھے بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ جب وہ واپس آئے تو ہارون علیہ السلام سے پوچھا: ''تم نے جب دیکھا تھا کہ یہ گمراہ ہو رہے ہیں تو کس چیز نے تمھارا ہاتھ پکڑا تھا کہ میرے طریقے پر عمل نہ کرو؟ کیا تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی؟'' ہارونؑ نے جواب دیا: ''اے میری ماں کے بیٹے! میری داڑھی نہ پکڑ، نہ میرے سر کے بال کھینچ، مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ تو آ کر کہے گا: تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا پاس نہ کیا'' (طٰہٰ ۲۰:۹۲-۹۴)۔ حضرت ہارون علیہ السلام کے جواب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے قوم کو بچھڑے کی پوجا سے منع ضرور کیا ہوگا مگر ان کی اس گمراہی پر وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے کہ کہیں قوم میں پھوٹ نہ پڑ جائے۔ حضرت ہارونؑ کے اس موقف کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی تسلیم کیا۔ معلوم ہوا کہ مختلف مکاتب فکر کے لوگ اپنی رائے پر اس قدر اصرار نہ کریں جس کے باعث قوم میں پھوٹ پڑ جائے۔

علما و صلحا کی روش

اختلاف رائے کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امت کے علما اور صلحا خواہ ان کا تعلق کسی بھی مکتب فکر سے ہو، ان سب کا دین کے بنیادی اور اساسی امور میں اتفاق ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اکرمؐ کی رسالت پر اختلاف نہیں رکھتے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر فرائض میں ان کا اختلاف نہیں۔ جو چیزیں قرآن مجید اور سنت طیبہ میں حرام ہیں، جیسے سور کا گوشت، شراب، مردار کا کھانا و دیگر منہیات، ان سب پر علمائے امت کا اتفاق ہے خواہ وہ سنّی مکاتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں یا اہل تشیع ہوں، البتہ سنی اور شیعہ، نیز سنیوں کے مختلف مکاتب فکر کا اختلاف ان امور میں ہے جو دین کی اساسی بنیادیں نہیں بلکہ فروعی معاملات ہیں۔ ان فروعی

معاملات میں اختلاف کرنے کے باوجود علمائے امت کا کیا رویہ تھا؟ کیا وہ اپنے موقف پر اس قدر اصرار کرتے تھے کہ اُمت میں پھوٹ پڑ جائے اور لوگ فرقوں میں بٹ جائیں؟ علمائے امت کی روشن تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اصحابِ مکاتبِ فقہ کے علاوہ علمائے اُمت میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ان کی وسعت ظرفی کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

● امام شافعیؒ کا معروف قول ہے: ''میری رائے صحیح ہے جس میں غلطی کا امکان بہر حال موجود ہے، جب کہ دوسرے کی رائے غلط ہے مگر اس میں صحت کا امکان موجود ہے'' (ادب الاختلاف، ڈاکٹر جمال نصار)۔ ایک جگہ پر وہ فرماتے ہیں: ''جب کسی مسئلے پر میری کسی سے بحث ہوتی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس کی زبان سے حق ظاہر کر دے تاکہ میں بھی اس حق کی اتباع کروں''۔(ایضاً)

● مدینہ منورہ کے سات اہم ترین فقہا میں سے ایک کا نام القاسم بن محمدؒ تھا۔ان کی وسیع الظرفی اور دُور اندیشی دیکھیے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ امام کے پیچھے مقتدی کو فاتحہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ''امام کے پیچھے اگر مقتدی فاتحہ پڑھ لے تو رسول اکرمؐ کے صحابہ کرامؓ کی اتباع کرے گا اور اگر نہیں پڑھے گا تب بھی رسول اکرمؐ کے صحابہؓ کی اتباع کرے گا''۔(جامع بیان العلم)

● امام مالکؒ نے مشہور زمانہ کتاب الموطا جب تحریر کی تو وقت کے حاکم نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس کتاب کو کعبۃ اللہ میں رکھا جائے اور تمام مسلمانوں کے لیے اس کو مرجع قرار دیا جائے۔امام مالک نے ایسا کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ''امیر المومنین ایسا نہ کیجیے، ایک ہی رائے پر عمل کرنا مسلمانوں کے لیے شاق ہوگا''۔(ادب الاختلاف، ڈاکٹر جمال نصار)

● ائمہ کرامؒ نے کبھی بھی اپنی رائے کو حرفِ آخر قرار نہیں دیا۔امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے: ''یہ میری رائے ہے اور میں نے بہتر رائے دینے کی کوشش کی ہے۔اگر کسی کے پاس اس سے بہتر رائے ہے تو اسے قبول کرنے میں ہمیں کوئی عار نہیں''۔(قوعد حاکمه فی الاختلاف الرشید، فتحی عبدالستار)۔امام مالکؒ کہا کرتے تھے: ''میں انسان ہوں، میری رائے غلط بھی ہو سکتی ہے، لہٰذا میری رائے کو کتاب وسنت کی کسوٹی میں کسا کرو''۔امام شافعیؒ سے بھی اسی طرح کا قول منقول ہے: ''میری رائے کے خلاف اگر صحیح حدیث ہو تو میری رائے کو دیوار پر دے مارو۔اگر صحیح قول جس کی بنیاد صحیح حدیث پر ہو، تمھیں راہ چلتے کسی شخص سے مل جائے تو اس پر عمل کرو اور سمجھو یہ میری رائے ہے''۔(ایضاً)

● ائمہ اربعہ سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی تقلید کرنے سے منع کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ''کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ہمارے قول پر عمل کرے تاوقتیکہ اسے معلوم ہو کہ ہماری رائے کی بنیاد کیا

ہے“ (ایضاً)۔ائمہ اربعہ سے یہ بات بھی معروف ہے کہ جب وہ کسی دوسرے امام کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اپنی رائے کے بجائے ان امام کی رائے پر عمل کرتے تھے۔ دوسرے امام کے احترام میں وہ ایسا کرتے تھے۔امام شافعیؒ فجر کی نماز میں قنوت کو واجب قرار دیتے تھے مگر جب وہ عراق گئے تو امام ابوحنیفہؒ کی رائے کا احترام کرتے ہوئے فجر کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے، حالانکہ امام ابوحنیفہؒ اس وقت انتقال کر چکے تھے (ایضاً)۔اختلاف رائے اپنی جگہ، مگر احترام اور عزت و توقیر اپنی جگہ۔یہ تھے ہمارے ائمہ کرامؒ جنھوں ہمارے لیے روشن مثالیں چھوڑی ہیں۔

یہ بات ہمیں معلوم ہوئی کہ اختلاف رائے انسانی فطرت ہے۔ایک ہی قالب میں تمام انسان ڈھل نہیں سکتے، البتہ وہ اختلاف جو تفرقے کا باعث بنے، وہ مذموم اور ممنوع ہے۔اختلافات کی وجہ سے تاریخ کے صفحات میں خون آلود کہانیاں بکھری ہوئی ہیں۔یہ تاریخ اب ماضی کا حصہ بن چکی ہے۔ ماضی میں جھانکنے کا اب کوئی فائدہ نہیں رہا۔ہمارا حال اس قدر پریشان کن ہے کہ امت کو مختلف چیلنجوں کا سامنا ہے۔ان چیلنجوں سے اگر نمٹنا ہے تو ماضی کی خونیں تاریخ کو بھلا کر نیا آغاز کرنا ضروری ہے۔ماضی میں پیش آنے والے واقعات اور اسباب اب ماضی کا حصہ ہیں جسے اب یاد کرنے اور دہرانے کی ضرورت نہیں۔ان میں کون حق پر تھا کون غلط، اس کا فیصلہ ہم نے اپنے ذمے کیوں لے لیا ہے۔ان کے حساب کتاب کے ذمہ دار ہم نہیں۔اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں جو ہر صاحب حق کو اس کا اجر دے گا۔وہی نیتوں کے حال سے واقف ہے۔”وہ کچھ لوگ تھے جو گزر گئے۔جو کچھ انھوں نے کمایا، وہ ان کے لیے ہے اور جو کچھ تم کماؤ گے، وہ تمھارے لیے ہے۔تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے“ (البقرہ ۲:۱۳۴)۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے جب قرونِ اولیٰ کے دور فتن کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا: ”ان لوگوں کے خون سے ہمارے ہاتھ پاک ہیں، ہم اپنی زبان کو کیوں آلودہ کریں“۔(مبادی التقریب بین المذاہب الاربعہ، ڈاکٹر یوسف القرضاوی)

اُمت مسلمہ میں تفرقہ

ہر شخص کو آزادی حاصل ہے کہ وہ جس مکتب فکر سے چاہے رجوع کرے، جس کی چاہے تقلید کرے مگر یہ ضروری نہیں کہ وہی حق پر ہو اور باقی سب کو گمراہ قرار دے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”پس اپنے نفس کی پاکی کے دعوے نہ کرو، وہی بہتر جانتا ہے کہ واقعی متقی کون ہے“ (النجم ۵۳:۳۲)۔خود کو برحق اور دوسرے کو گمراہ قرار دینے والا اُمت میں تفرقہ پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔اس عمل کی مذمت کی گئی ہے۔تفرقہ بندی اور لسانی اور گروہی تعصب جاہلیت کے نعرے ہیں۔قرآن مجید میں اس کی صریح ممانعت ہے۔

ہجرت نبویؐ سے پہلے مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج کے درمیان طویل جنگیں ہوئی تھیں۔اسلام کی

برکت سے وہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے۔ اخوت اور مودت کا یہ ماحول یہودیوں کو کھٹکتا رہا، لہٰذا وہ ان کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ مدینہ منورہ میں انصار کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے والا پہلا شخص یہودی تھا جس کا نام شاس بن قیس تھا جسے انصار کی اخوت اور محبت کھٹکتی رہی۔ اوس کے پاس جا کر انھیں خزرج کے بارے میں اکساتا اور شعر پڑھ کر انھیں ان کی خونی تاریخ یاد دلاتا۔ اسی طرح خزرج کے پاس جا کر انھیں اوس کے بارے میں اکساتا یہاں تک دونوں گروہ اس کے بہکاوے میں آ گئے اور پھر وہ موقع آیا جس میں اوس اور خزرج آمنے سامنے آ گئے۔ اوس کے لوگوں نے نعرہ بلند کیا: ''اوس کے لوگو! اپنے قبیلے والے کی حمایت کرو'' اور خزرج نے نعرہ لگایا: ''اے خزرجیو! اپنے قبیلے کے لوگوں کی مدد کرو''۔ قریب تھا کہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے ساتھ بھڑ جاتے مگر عین وقت پر رسول اکرمؐ تشریف لائے اور دونوں گروہوں کی سخت سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ''جاہلیت کے نعرے بلند کرتے ہو حالانکہ میں تمھارے درمیان موجود ہوں''۔ آپؐ نے انھیں قرآن مجید کی آیات سنائیں یہاں تک دونوں گروہ رو پڑے اور ایک دوسرے سے معانقہ کیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کی یہ آیات نازل فرمائیں: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم نے ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی بات مانی تو یہ تمھیں ایمان سے پھر کفر کی طرف پھیر لے جائیں گے۔ تمھارے لیے کفر کی طرف جانے کا اب کیا موقع باقی ہے، جب کہ تم کو اللہ کی آیات سنائی جا رہی ہیں اور تمھارے درمیان اس کا رسولؐ موجود ہے؟ جو اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے گا وہ ضرور راہ راست پالے گا''۔ (ال عمرٰن ۳:۱۰۰-۱۰۱)

غور کیا جائے تو شاس بن قیس کسی نہ کسی صورت میں آج بھی ہمارے درمیان موجود ہے جو امت کے افراد کے درمیان تفرقہ ڈالنے پر تلا ہوا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ امت تفرقہ میں پڑ جائے تاکہ اندر سے کھوکھلی ہو اور اس پر حملہ کرنا آسان ہو، جب کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت کرتا ہے کہ ''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں، ورنہ تمھارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمھاری ہوا اُکھڑ جائے گی'' (الانفال ۸:۴۶)۔ اسی طرح کی ہدایت رسول اکرمؐ سے ملتی ہے: آپس میں اختلاف نہ کرو کیونکہ تم سے پہلے امتوں کے اختلاف ہی نے انھیں ہلاک کیا (بخاری)۔ شاس بن قیس جیسے لوگ امت کو گروہوں میں بانٹنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کبھی ان کا نعرہ سنی شیعہ کا ہوتا ہے تو کبھی حنفی، مالکی کہتے ہیں۔ کبھی مقلد اور غیر مقلد کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو کبھی دیوبندی اور بریلوی کی صدا لگاتے ہیں۔ امت کے تمام مکاتب فکر کو چاہیے کہ وہ اس طرح کی گروہی عصبیتوں کو فروغ دینے والوں سے ہوشیار رہیں۔ خاص طور پر موجودہ دور میں جس میں امت کے خلاف تمام دشمن طاقتیں متحد اور یکجا نظر آتی ہیں۔

یورپی ممالک ہمارے لیے مثال ہیں۔ آج یورپی ممالک آپس میں متحد ہیں، جب کہ ان کی خونی تاریخ کافی طویل ہے۔ یورپی ممالک نے ماضی کو بھلا کر متحد ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیا ایک امت سے تعلق رکھنے والے لوگ یکجا نہیں ہو سکتے۔ ایک ایسی امت جس کا رب ایک، رسول ایک، قرآن ایک اور کعبہ ایک ہے۔ یہ امت کیوں ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے۔ یورپی ممالک میں کوئی قدر مشترک نہیں اس کے باوجود وہ متحد ہیں، جب کہ اُمت مسلمہ خواہ ان کا تعلق کسی بھی مکتب فکر سے ہو، وہ کیوں متحد نہیں ہو سکتے حالانکہ ان کے درمیان کئی مشترکہ اقدار ہیں۔ یہ وہ وقت ہے جس میں امت کے افراد جو لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں انھیں چاہیے کہ وہ اختلافات کے باوجود متحد ہوں کیونکہ وہ تاک میں بیٹھے دشمن سے علیحدہ علیحدہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اعتدال کی راہ

امت کے افراد کلمہ طیبہ کی بنیاد پر جمع ہوں۔ آج اُمت میں ایک دوسرے کو کافر قرار دینے کی جو روش چل پڑی ہے، وہ انتہائی خطرناک ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جس نے کسی شخص کو کافر کہا تو کفر ان میں سے کسی ایک شخص کو لاحق ہوگا'' (متفق علیہ)۔ گویا اگر کسی نے کسی کو کافر کہا اور وہ کافر نہ ہو تو کفر اسی کو لاحق ہوگا جس نے یہ کلمہ دوسرے کے لیے استعمال کیا ہو۔امام ابن تیمیہؒ کا ایک زریں قول ملاحظہ کریں: ''مسلمانوں کا ایک بات پر اتفاق ہے کہ وہ ایک دوسرے کی امامت میں نماز پڑھیں گے جس طرح صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے اور ان کے بعد أئمہ اربعہ کا بھی اسی پر اتفاق رہا۔ جو شخص اس اجماع امت کا انکار کرے تو وہ مبتدع، گمراہ اور کتاب وسنت کے علاوہ اجماع المسلمین کا مخالف ہے''۔(الاختلاف بالتی ھی احسن، رجب ابوملیح)

حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے ابن ماجہ میں منقول ہے۔ آپ نے صلہ بن زفر سے کہا: ''اسلام کی تعلیم عام ہوتی رہے گی یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا جس میں لوگوں کو معلوم نہیں ہوگا کہ نماز، روزہ، صدقہ اور دیگر عبادات کیا ہیں، حتیٰ کہ قرآن مجید کی آیات تک لوگوں کو یاد نہیں رہیں گی۔ پھر جو بچے، بوڑھے اور خواتین ہوں گی، وہ کہیں گے: ہمارے باپ دادا 'لا الہ الا اللہ' کہا کرتے تھے، لہٰذا ہم بھی اسی کلمے کا اقرار کرتے ہیں''۔ اس پر صلہ بن زفر نے کہا: ''محض لا الہ الا اللہ کہنا ان کے کس کام کا، جب کہ انھیں نماز روزہ اور دیگر عبادات کا علم ہی نہیں'' یہ سن کر حضرت حذیفہؓ نے ان سے منہ پھیر لیا۔ بار بار دہرانے کے بعد حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا ''یہ کلمہ انھیں آگ سے بچانے کے لیے کافی ہوگا'' (حاکم)۔ گویا اس کلمے کا اقرار انھیں جہنم کی آگ سے بچا سکتا ہے۔ اس سے ملتی جلتی صورت حال کا مشاہدہ سقوطِ اندلس کے بعد اور سوویت یونین کے دور میں دیکھا جا چکا ہے جب حکومت نے اسلام اور اس کے تمام شعائر پر پابندی لگا دی تھی۔ وہاں کے لوگوں کو اتنا علم تھا کہ ہم

مسلمان ہیں اور لاالہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں۔ محض اس کلمے کی وجہ سے ان شاء اللہ وہ جہنم سے بچا لیے جائیں گے۔

ان باتوں سے معلوم ہوا کہ اسلام ایک وسیع الظرف دین ہے اور یہ وسعت ظرفی ہمیں اپنے اندر بھی پیدا کرنی چاہیے۔ اختلافات رکھنے کے باوجود ہمارے اندر بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جو ہمیں متحد کرسکتی ہیں۔اس اتحاد کے بغیر ہم اپنے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

علمائے امت نے اختلاف رکھنے کے باوجود تعاون کرنے کا ایک زریں اصول وضع کیا جس کے الفاظ ہیں: ''اتفاق رائے پر ایک دوسرے سے تعاون کریں اور اختلاف رائے پر ایک دوسرے کی رائے کا جواز تسلیم کریں''۔اس قاعدے و کلیے کو یوں بھی تبدیل کیا جاسکتا ہے کہ ''متفقہ مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور مختلف فیہ مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھ مکالمہ کریں''۔ان قواعد کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے سے پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ اختلاف آخر کیوں پیدا ہوتا ہے۔

اختلاف رائے کی وجوھات

اختلاف رائے کی کئی وجوہ ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ کا کہنا ہے ''کوئی بھی امام اجتہادی مسائل میں رسول اکرمؐ کی کسی صریح حدیث سے عمداً اختلاف نہیں کرتا۔اختلاف میں وہ معذور ہوتا ہے جس کے بنیادی طور پر تین اسباب ہیں: ایک یہ کہ اس کا گمان ہوتا ہے کہ یہ حدیث رسول اکرمؐ نے نہیں فرمائی۔ دوم یہ کہ اس حدیث کا اس معاملے پر انطباق نہیں ہوتا، اور سوم یہ کہ اس کا خیال ہوتا ہے کہ حدیث میں بیان کیا جانے والا حکم منسوخ ہے''(فتاویٰ ابن تیمیہ، ج۲۰،ص ۲۳۲)۔امام ابن تیمیہؒ کا ایک اور جگہ پر یہ قول بھی منقول ہے: ''اسلام کا کوئی بھی مسئلہ جس میں علما کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا ہو مگر اس اختلاف کی وجہ سے تفرقہ، دشمنی اور منافرت پیدا نہ ہوئی ہو تو یہ مسئلہ اسلام کے عین مصلحت کے مطابق ہے، جب کہ جس مختلف فیہ مسئلے میں تفرقہ پیدا ہو، لوگوں کے درمیان دشمنی اور عداوت پیدا ہونے لگے تو جان لو کہ اس مختلف فیہ مسئلے کا دین سے کوئی تعلق نہیں''۔(الاختلاف بالتی ھی احسن، رجب ابوملیح)

ڈاکٹر یوسف القرضاوی اختلاف کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ممکن ہے کہ کسی مسئلے پر آپ کے پاس صریح حدیث موجود ہو مگر وہ حدیث میرے پاس نہ ہو۔ ممکن ہے یہ حدیث آپ کے نزدیک صحیح ہو مگر میں اسے ضعیف سمجھتا ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی حدیث دونوں کے پاس ہو اور دونوں اس کی صحت پر متفق ہوں مگر اس حدیث کو آپ اپنے طور پر سمجھ رہے ہیں اور میں اپنے طور پر۔اس مسئلے میں اختلاف نصِ

حدیث سے نہیں، بلکہ آپ کی رائے سے ہوگا'' (مبادی التقریب بین المذاہب الاربعہ، ڈاکٹر یوسف القرضاوی)۔ ائمہ کے درمیان اختلاف فطری اور طبعی ہے۔ تمام لوگوں کو ایک قالب میں ڈھالنا ممکن نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد کہا کرتے تھے: ''علما کے درمیان آرا میں اختلاف وقت اور مصلحت کے مطابق ہے۔ ان کا اختلاف دلیل اور برہان پر نہیں''۔ اجتہادی مسائل میں اختلاف تفرقے کا باعث نہیں ہونا چاہیے۔

اختلاف رائے کے دیگر اسباب میں ایک سبب عامۃ الناس میں پایا جاتا ہے جس سے علماے حق مبرا ہیں، اور وہ یہ ہے کہ لوگ اپنے امام کی رائے کو بالا اور دوسرے کو نیچا دکھانے پر تل جاتے ہیں۔ اپنی رائے کو حق ماننے پر عناد اور اصرار کرنے لگ جاتے ہیں۔ ان کا مقصد حق کو ظاہر کرنا اور اس کی اتباع کرنا نہیں بلکہ اپنی رائے کو دوسرے پر مسلط کرنا ہوتا ہے۔ طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اختلافی مسائل کو علماے حق کی کتابوں سے تلاش کر کے اس کے جواز اور عدم جواز پر فیصلہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ عوام الناس کی رائے سن کر وہ اپنا فیصلہ قائم کرے۔

اتفاق رائے کی بنیاد

جس قاعدے و کلیے کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ ''اتفاق رائے پر ایک دوسرے سے تعاون کریں اور اختلاف رائے پر ایک دوسرے کی رائے کا جواز تسلیم کریں'' یا پھر ''متفقہ مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور مختلف فیہ مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھ مکالمہ کریں''، اس کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ امت کے مختلف مکاتب فکر کے درمیان بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن میں علما کے درمیان اتفاق ہے اور جن میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں۔

تمام مکاتب فکر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کے اسماے حسنیٰ اور صفات علیا کو سب مانتے ہیں۔ رسول اکرمؐ کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں۔ سب کا ایمان ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو کسی بھی تحریف اور تبدیلی سے پاک ہے۔ تمام ارکان اسلام: نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر سب کا اتفاق ہے خواہ وہ سنی مکاتب فکر ہوں یا شیعہ۔ اس بات پر بھی امت کا اتفاق ہے کہ کتاب و سنت شریعت کا اصل الاصول ہے۔ اسی سے مسائل حل کیے جا سکتے ہیں۔ اس بات سے بھی اتفاق ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں۔ کوئی بھی عالم اجتہاد کر سکتا ہے۔ اس میں اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کی یکجہتی میں اس کی قوت اور تفرقے میں اس کی کمزوری ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر جن باتوں میں اختلاف ہے ان پر مکالمہ کیا جا سکتا ہے اور جس بات میں اختلاف ختم نہ ہو سکے اس میں ایک دوسرے کی رائے کے جواز کو تسلیم کریں۔ ہم اختلاف رائے کی وجہ سے ایک دوسرے پر الزام تراشی نہ کریں، ایک دوسرے کو گمراہ قرار نہ دیں، ایک دوسرے کو

فاسق نہ کہیں۔ایک دوسرے کی رائے کا احترام کریں اور متنازع مسائل کو نہ چھیڑیں۔ایک دوسرے کو اس کا اپنا مسلک اختیار کرنے کی آزادی دیں۔ایک دوسرے کے بارے میں حسن ظن رکھیں اور سوءِ ظن کی بنیاد پر پہلے ہی سے کسی کے بارے میں فیصلہ نہ کریں۔اخوت اسلامی کے اسباب کو پروان چڑھائیں اور وسعت ظرفی کا مظاہرہ کریں۔باہم تحمل اور برداشت کو فروغ دیں اور کلمہ طیبہ کی بنیاد پر جمع ہوں۔اب وقت آ گیا ہے کہ ہم باہم متحد ہو کر اپنے دشمن کا مقابلہ کریں۔اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو سر پر منڈلانے والا دشمن کسی بھی وقت ہم پر حملہ آور ہو کر ہماری ہوا اُکھاڑ سکتا ہے۔